عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ذی القعدہ ۱۴۲۵ھ / جنوری ۲۰۰۵ء

Reg No: P 476

جلدسوم: شمارہ:۵

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے سالانہ بدل اشتراک: ۱۸۰ روپے

خط وکتابت کا پتہ: مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس

پشاور

ای۔میل: saqi_pak@hotmail.com

فون: 091-5704450

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

ذہنی سکون کا حصول

مختلف قسم کی پریشانیوں کی وجہ سے عموماً ذہنی سکون مفقود ہو جاتا ہے بعض اوقات مالی پریشانیاں ہوتی ہیں بعض اوقات جسمانی اور بعض اوقات خاندانی اور معاشرتی پریشانیاں ہوتی ہیں، اور اکثر جوانوں کو نفسیاتی پریشانیاں لاحق ہو جاتی ہیں بعض اوقات جذباتی پریشانیاں انسان کے سکون کو برباد کر دیتی ہیں، یہ سب طبعی اسباب ہیں جن کی وجہ سے انسان اکثر پریشان ہوتا ہے، ہمارے نزدیک ان تمام پریشانیوں کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ انسان کا دل ایک مرکز پر اٹکا ہوا نہیں ہے، انسان کے دل کا اصل مرکز اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی ہے جس طرح کمپاس کی سوئی اس وقت تک قرار نہیں پکڑتی جب تک ۹۰ کے زاویہ کے ساتھ قطب شمالی کا رخ نہ کر لے، اسی طرح انسان کے دل میں انتشار رہتا ہے، جب تک وہ ادھر اُدھر کو گھومتا رہتا ہے۔

سکون اور طمانیت اس وقت میسر آتے ہیں جب دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ (الرعد:۲۸)

ترجمہ: خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے

کیونکہ دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر ہی میں ہے دل میں جتنی یادِ حق ہوگی اتنا ہی دل پریشانیوں سے نکلتا چلا جائیگا۔ جس طرح سمندری جہاز جب تک لنگر نہ ڈالے تو ڈانواں ڈول ہوتا ہے لیکن لنگر کے ڈالنے کے بعد ساکن ہو جاتا ہے اسی طرح جب تک ہم اللہ کی طرف دل کا لنگر نہیں ڈالیں گے ڈانواں ڈول ہونگے۔ انسان جب تک اپنا تعلق رب کے ساتھ صحیح نہیں کرتا اور اس کی یاد کو دل میں نہیں بساتا اس وقت تک اس کو کامل طمانیت میسر نہیں آتی قرآن میں آتا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (یونس:۶۲)

ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ولی یعنی دوست ہیں نہ ان کو کوئی خوف ہے اور نہ ان کو کوئی غم ہے۔

جب دل ایک جگہ پر آ جاتا ہے تو انسان ذہنی خلفشار سے نکل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی کامل ہستی ہے جس سے ہر حاجت پوری ہوتی ہے اور ہر پریشانی کا مداوا ہوتا ہے اور ہر بات کا جواب مل سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں سب کچھ ہے۔ ہم غیر میں سکون کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ غیر میں سکون ہے

ہی نہیں، نہ غیر ہماری کسی حاجت یا ضرورت میں کفایت کرسکتا ہے۔انسان غیر کے پیچھے پڑ کر اور خدا کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ضائع اور برباد کردیتا ہے، ہر وہ سانس اور گھڑی جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت میں گزرتی ہے وہ ضائع ہوجاتی ہے کیونکہ ۔

ہیچ کنجے بے دد وبے دام نیست جز، بہ خلوت گاہ حق آرام نیست

کوئی اور ٹھکانا ایسا نہیں جو کسی خزندہ یا درندہ سے خالی ہو، بجز اللہ تعالیٰ کی خلوت گاہ کے کہیں بھی چین وآرام نہیں ہے۔اگر آسمان کمان ہوجائے اور زمانہ تیر انداز تو پناہ بجز تیر انداز کے پہلو میں پناہ لینے کے اور کہیں نہیں ملے گی حضرت سید صاحب فرماتے ہیں:

پناہ اے دل خدنگ ناز قاتل سے نہیں ملتی
جو مل سکتی ہے تو پھر سایہ دامان قاتل میں

اگر کوئی شخص گولی چلا رہا ہے تو گولی سیدھی سامنے جائے گی، اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ گولی چلانے والے کے پہلو میں آجاؤ۔اس عالم میں جو بھی کچھ ہوتا ہے اور جو بھی تصرفات وتقلبات آتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور مرضی سے آتے ہیں پس اگر ہر قسم کی مشکلات اور پریشانیوں سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے دامن میں آجاؤ۔چین اور سکون کا واحد راستہ اور واحد طریقہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرلینا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم ہوجائے تو دل پر مرہم لگ جاتا ہے، اگر کسی کے ساتھ محبت ہو تو پھر انسان کیا چاہتا ہے۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھا رہوں تصور جانان کئے ہوئے

اللہ کا ایسا دھیان جس میں کوئی غیر نہ ہو ایک لمحہ کے لئے میسر آجائے تو دل کو وہ سکون ملتا ہے جو تمام دنیا کے بادشاہوں کے پاس نہیں، حضرت خاقانیؒ فرماتے ہیں:

بعد از سی سال ایں نکتہ محقق شد بہ خاقانیؒ کہ لحظہ با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

ترجمہ: کہ تیس (۳۰) سال کے مجاہدات کے بعد خاقانیؒ پر یہ بات کھلی کہ ایک لحظہ کا اللہ کا ساتھ ہونا

سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے بہتر ہے۔

اصل میں انسان کو اس کی امیدیں، اُمنگیں اور تجویزیں مار ڈالتی ہیں۔ انسان مختلف قسم کی تجاویز سوچتا ہے اور جب تجویزیں کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتیں تو انسان اندر ہی اندر سے گھٹتا ہے اور پریشان و مایوس ہوتا ہے، کبھی لمبی لمبی اُمیدیں باندھتا ہے، ارادے کرتا ہے اور وہ اُمیدیں اور ارادے پورے نہیں ہوتے تو دل شکستہ ہو جاتا ہے، میں نے یوں چاہا تھا اور یوں کیوں نہیں ہوا۔ اگر اس دائرہ کو پھیلاؤ تو زندگی کی ہر ضرورت اور خواہش پر حاوی ہو جائیگا۔ مقصد پورا نہ ہوا، کسی مقام اور عہدہ پر فائز ہونا تھا وہ نہ ہوسکا اس سے گھٹن ہو جاتی ہے کہ ہائے یہ کیوں نہیں ہوا، ذہن پر اس سے نفسیاتی اثرات پڑ جاتے ہیں۔ اس گھٹن کا علاج کیا ہے، کہ اپنی تمام امیدوں اور تجاویز کو فنا کر دے اور اس بات کا یقین کر لے کہ ہوگا وہی جو اللہ میاں چاہیں گے میرے بنانے سے نہ بنے گا اور نہ میرے بگاڑنے سے بگڑے گا، وہی ہوگا جو اللہ کرینگے اور اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ ہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرو کہ کسی جائز کام کے لئے اس کی تدبیر میں کسی قسم کی کمی کوتاہی نہ کرو اور نتیجہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو اور اس بات کو بھی ذہن میں جما لو کہ اللہ تعالیٰ وہی کرے گا جس میں میری خیر ہوگی۔ انسان بعض اوقات ایک چیز میں خیر سمجھتا ہے لیکن اس میں خیر نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔

عَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ (البقرہ:۲۱۶)

ترجمہ: بہت دفعہ ایک چیز کو تم ناپسند کرتے ہو لیکن اس میں تمہارے لئے خیر ہوتی ہے اور بہت دفعہ ایک چیز کو تم پسند کرتے ہو حالانکہ اس میں تمہارے لئے شر ہوتا ہے۔

بہت سی چیزوں میں انسان اپنا فائدہ سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس میں انجام کار نقصان ہے۔

من غمِ تو می خورم تو غم مخور   من باتو مشفق ترم از صد پدر

ترجمہ: ہم تمہارا غم کر رہے ہیں تم غم نہ کرو، ہم آپ پر سو باپوں سے زیادہ شفقت کرنے والے ہیں

اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی انسان کو چھوڑتی ہی نہیں، توڑتی بھی نہیں، وہ محض انسان کی بلندی اور انجام کار کے فائدہ کے لئے ہوتی ہے، پریشانیوں کے لئے انسان اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے اور تقدیر پر یقین

کرے۔ تقدیر کا بہت بڑا فائدہ ہے کہ انسان مایوس نہیں ہوتا اور اس سے مسلمان کی پریشانیاں دور ہوجاتی ہیں۔ میری اماں کافی بوڑھی ہے کچھ بھی نہیں کرسکتی ہے لیکن جب کوئی خفگی اور پریشانی کی بات ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ تم کیوں غم کرتے ہو میں جو زندہ ہوں۔ ایک ماں جو اتنی فکرمند ہوتی ہے حالانکہ کچھ بھی نہیں کرسکتی تو وہ کہتی ہے کہ میں تمہارے غموں کے لئے کافی ہوں۔ تو کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے ہیں

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ (الزمر:۳۶)

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کیلئے کافی نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ ہے تو ہمیں غم نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے ہر وقت ہے ہر جگہ ہے، علیم وبصیر بھی ہے اس کے رحیم وشفیق ہونے کا دھیان چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی رخ سے ایک دعا ہم کو بتائی ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ بتاتا ہوں جو ۹۹ امراض کا علاج ہے، جس میں ادنیٰ مرض غم وفکر ہے، اور وہ کلمہ یہ ہے۔ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡم۔ غم وفکر اور پریشانی کے علاج کے لئے اول آخر درود شریف اور درمیان میں ۲۱ مرتبہ یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا کرے انشاء اللہ اس سے پریشانی کم یا دور ہوجائیگی۔ بس اصل علاج یہ ہے کہ انسان اپنی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے، اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہر حاجت کا پورا ہونا دیکھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو جوڑے۔ (غالباً بات یہاں ختم ہوگئی تھی درمیان میں کوئی وقفہ ہوگیا تھا۔ جس کے بعد یا بعد میں کسی نے سوال کیا تھا جس کی وجہ سے اس مضمون کا بیان دوبارہ شروع ہوا تھا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے)۔

عدم سکون نام ہے انتشارِ ذہنی کا، اور طمانیت وسکون نام ہے ارتکازِ ذہنی کا۔ جب انسان کسی ایک چیز پر توجہ کو مرکوز کردیتا ہے تو اور چیزوں سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اگر غیر اللہ پر توجہ کو مرکوز کروگے تو وہ فانی ہے، ختم ہوجائے گا، فنا ہوجائے گا تو سارا معاملہ درہم برہم ہوجائے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی ذات پر توجہ کو مرکوز کروگے تو وہ باقی ہے، علیم ہے، قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی نفسیات کا سب سے بڑا عالم ہے۔

اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ط وَ ھُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ O (الملک:۱۴)

ترجمہ: (اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین (اور) پورا باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کے جزو کل اور ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ جب تک انسان کو سکون میسر نہ ہو تو نہ دین کا کام بنتا ہے اور نہ دُنیا کا۔ نماز بھی کامل نہیں ہوتی جب تک اس میں خشوع (سکون) نہیں ہوتا۔ خشوع عدمِ حرکت کو کہتے ہیں یعنی نماز میں عدم حرکت ہو، دل ادھر اُدھر نہ جھانکے اور نہ ادھر اُدھر کا سوچے۔ حنفیوں کے نزدیک نماز میں رفع یدین کے نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں عدم سکون ہوتا ہے۔ سکونِ قلب بنیادی چیز ہے اور اس کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرکز کے طور پر اپنی ذات کو بتایا ہے۔ فرائیڈ کی نفسیات کا نام ہی نہ لیں کہ اس کا مرکز گندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے جتنی چیزیں میسر آسکتی ہیں دوسرے کی ذات سے وہ نہیں آسکتی ہیں۔ انسان کے اندر بے شمار چاہتیں ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے انسان ہاتھ پاؤں مارتا ہے کہ یہ چاہت اور ضرورت فلاں فلاں جگہ سے پوری ہوگی۔ انسان کی چاہتیں ایک جگہ سے پوری نہیں ہوتی ہیں۔ جتنے پہلو اتنے رُخ ہیں اس سے انسان کے ذہن میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

کھاؤں کدھر کی چوٹ، بچاؤں کدھر کی چوٹ والا معاملہ ہوتا ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات دی کہ میری ذات سے ہر چیز ملے گی۔ یعنی حاجتوں کا اجتماعی طور سے پورا ہونا صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ بس یکے را گیر و محکم گیر والا معاملہ ہونا چاہیئے۔ اللہ والوں کے متعلق آتا ہے۔

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O (یونس:۶۲)

ترجمہ: نہ ان کو کوئی خوف ہے اور نہ ان کو کوئی غم ہے۔

کہ جو چیز فوت ہوگئی ہے اس کا غم نہیں، اور جو آئندہ آنے والی ہے اس کا خوف نہیں۔ تو یہ خیال کرتا ہے کہ جو اللہ نے چاہا وہی ہوا اور اچھا ہوا۔ اور جو ہونے والا ہے تو سمجھتا ہے کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا۔ کیونکہ اس کی ذات حکیم و خبیر ہے۔ اگر مگر اور لیکن کا دروازہ کھل گیا تو اس سے شیطان کے لئے دروازہ کھل جائے گا کہ اگر یوں ہوتا تو یہ ہو جاتا، اور اگر ایسا ہوگیا تو کیا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے سامنے ہماری زندگی کا صرف ایک جزو کھلا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری زندگی پوری کی پوری کھلی ہوئی ہے۔ تو جس کے سامنے پورے کا

پورا نقشہ کھلا ہوا ہو وہ پوری منصوبہ بندی کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم وکرم کی بناء پر وہی کرے گا جس میں بندہ کی خیر ہوگی۔ بس اس یقین سے نہ حزن باقی رہے گا اور نہ کسی بات کا خوف ہوگا۔ سورۃ قریش میں ارشاد خداوندی ہے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِO الَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ آمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍO

ترجمہ: عبادت کرو اس گھر کے پروردگار کی جس نے بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن دیا۔

پراگندگی اور ذہنی انتشار سے سکون کیسے میسر ہو۔ حضرت تھانویؒ کے لفظوں میں واحد ذریعہ یہ ہے کہ تجاویز کو جلا دو اور تدبیروں کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردو اور یہ یقین کرلو کہ:

ہر چہ آں شیریں کند شریں بود

کہ وہ پیارا جو بھی کرتا ہے وہ میٹھا ہی ہوتا ہے۔ ہماری نفسیات اور ذہنی وقلبی ارتکاز کی جگہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہو جائے اور ہم اللہ تعالیٰ کو تمام اچھی صفات خوبیوں اور کمالات کا خزانہ ماننے والے بن جائیں۔ اور پھر اس کی یاد اور سوچ میں ایسے ڈوبیں کہ:

ہمه شہر پر ز خوبان منم و خیال ماہے
چه کنم که چشم یك بین نه کند به کس نگاہے

کہ تمام شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے لیکن کیا کروں کہ میری آنکھ جو ایک کو دیکھنے والی ہے کسی پر نگاہ ہی نہیں ڈالتی۔

حکمتِ یونانیاں را خوانده ای
حکمتِ ایمانیاں رانیز خوان

یونانیوں کی حکمت تو پڑھی ایمان والوں کی حکمت بھی پڑھ لے ایمان والی حکمت اندر بھی مرہم لگاتی ہے اور باہر بھی مرہم لگاتی ہے۔

مُجھے تو فرائیڈ کی نفسیات سے طبعًا بھی بدبو آتی ہے، جس میں ماں کی محبت بھی کسی اور وجہ سے ہے۔ بسنت کے اندھے کو ہر چیز ہری ہری دکھائی دیتی ہے۔

(باقی صفحہ ''۱۸'' پر)

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

اصلاحی مجلس

نحمده و نصلی علی رسوله الکريم

فلسفہ والوں کی یہ بحث ہے کہ واجب الوجود فقط ذاتِ باری تعالیٰ ہے جو خود بخود قائم ہے، باقی ساری چیزیں ظلی ہیں اوران کا وجود حقیقی نہیں ہے، بلکہ امرِ الٰہی سے قائم ہیں۔صوفیاء جو نفی اثبات کا ذکر کرتے ہیں **لا الہ الا اللّٰہ** اس میں دھیان کرنا ہوتا ہے کہ نہیں معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے، نہیں مقصود سوائے اللہ کے، پھر اس میں ایک درجہ ہے کہ نہیں موجود سوائے اللہ کے، کوئی نہیں موجود سوائے اللہ کے یہاں تک کہ اپنی ذات نہیں موجود سوائے اللہ کے۔ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے ایک جگہ دیکھا کہ کچھ فقرا کی جماعت ذکر کررہی تھی۔جب کہتے **لا الہ** تو سب چیزیں غائب ہوجاتیں یہاں تک کہ وہ ذکر کرنے والے بھی غائب ہو جاتے ،اور جب **الا اللّٰہ** کہتے تو ساری چیزیں نظر آنے لگتیں اور وہ بھی نظر آنے لگتے۔تو دوسرے فقیر نے کہا کہ وہ اُس درجے کی نفی پر ذکر کررہے تھے کہ جس میں سب چیزوں کے وجود کی نفی اور اپنی ذات کی بھی نفی اور فقط واجب الوجود کی موجودگی ،وجود اور قائم ہونا باقی رہ گیا تھا لہٰذا اس کے اثرات بھی ظاہر ہورہے تھے، جو آپ کو بھی نظر آگئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے امرِ کُن کو ساری کائنات میں بکھیرا ہے اور اس سے چیزیں وجود میں آئی ہیں۔خلق اور امر یعنی تخلیق اور امر یعنی جو چیز پیدا ہوئی ہے اور جو کچھ وہ کررہی ہے اور جو ہورہا ہے۔خلق بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے وجود میں آیا اور امر بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے وجود میں آیا۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا ،آگ جلتی رہی اور سوائے ابراھیم علیہ السلام کے باقی چیزوں کے لیے اس کی جلانے کی تاثیر بھی باقی رہی اور فقط حضرت ابراھیم علیہ السلام کے لیے نہیں رہی کیونکہ ابراھیم علیہ السلام کے لیے آگ کو حکم ہوگیا کہ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰماً عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ ۝ (الانبیاء:۶۹)

ترجمہ: ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی اور بے گزند ہوجا ابراھیم کے حق میں۔

برد کا حکم ہوتے ہی آگ کی گرمی ختم اور اس میں ٹھنڈ پیدا ہوگئی۔اگر ٹھنڈ زیادہ ہوجائے تو وہ بھی آدمی کے وجود کے لیے خطرہ ہے اس لیے سلاماً بھی فرمایا کہ اتنی ٹھنڈی نہ ہو کہ ان کو تکلیف دے بلکہ ان کے لیے راحت کا سامان ہوجا۔جن رسیوں سے باندھ کر آگ میں گرایا گیا وہ رسیاں تو اس آگ سے جلیں لیکن حضرت ابراھیم علیہ السلام نہیں جلے۔اس منظر کو نمرود بادشاہ کی بیٹی نے دیکھا تو اس نے ابراھیم علیہ السلام

سے سوال کیا کہ اگر میں بھی اس ایمان اور کلمے کے ساتھ آگ میں آؤں تو مجھے بھی کچھ نہیں کہے گی، ابراہیمؑ نے کہا تجھے بھی کچھ نہیں کہے گی، کلمہ پڑھ کے وہ بھی آگ میں آئی اور محفوظ رہی۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصّوں پر جو سب سے اعلیٰ کتاب ہے وہ علامہ ابن کثیرؒ کی قصص الانبیاء ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سوہاروی صاحب کی جو قصص القرآن ہے اس میں زیادہ تر قرآن پر ہی بنیاد رکھی ہے، اور اسرائیلی روایات (تورات و انجیل) کو نہیں لیا ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ کا حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، علماء کا یہ مسلک ہے کہ تورات وانجیل کے وہ واقعات جو اسلامی تعلیمات ونصوص کے ساتھ ٹکراتے نہ ہوں تو تاریخی واقعات کے طور پر ان کو لیا جا سکتا ہے۔ تو آگ کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے سلب کرلی، آگ آگ رہی لیکن اس نے جلایا نہیں، اور باقی چیزوں کو جلایا ہے لیکن حضرت ابراھیم علیہ السلام کو نہیں جلایا۔

آگ کا جلنا ایک عمل ہے اور عمل کا وجود امرِ الٰہی سے ہے، امرِ الٰہی نہ ہو تو عمل وجود میں نہیں آتا۔ شفا بھی امرِ الٰہی ہے۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ بیمار ہوئے تو ان کے مریدوں نے حکیم سے معائنہ کرایا اور نسخہ لیا، انھوں نے کہا کہ نسخے کو سرہانے کے نیچے رکھ دیں۔ بیماری اور بڑھی تو مریدوں نے دوسرا نسخہ لکھوایا انھوں نے کہا کہ اس کو بھی سرہانے کے نیچے رکھ دیں، بیماری اور بڑھی تو انھوں نے تیسری تشخیص کروائی، انھوں نے کہا کہ اس کو بھی سرہانے کے نیچے رکھ دیں، یہاں تک کہ مریدوں نے چوتھا نسخہ بھی لکھوایا۔ پھر ان بزرگ نے کہا کہ ان چاروں میں سے کوئی ایک استعمال کرادیں۔ مریدوں نے کہا کہ تین دفعہ تو آپ نے دوائی نہیں لی اس کی کیا وجہ تھی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ شفا کا وقت نہیں آیا تھا، اب شفا کا امر ہوگیا ہے لہٰذا جو چیز بھی آپ لائیں گے شفا ہوگی۔ لیکن اب یہ ایسی بات نہیں ہے کہ مدثر صاحب بھی تکیے کے نیچے نسخہ رکھ کر بیٹھ جائے۔ جن اہل اللہ کو امرِ الٰہی اور مشیت الٰہی کا اندازہ ہو یہ بات ان کے لیے ہے۔ ہمارے لیے تو اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بکھیر دیے ہیں انہی کو سارے انسانوں نے اختیار کرنا ہے۔ افغانستان میں جب کیمونسٹ انقلاب آیا تو ان دنوں وہاں سکولوں میں استاد اور کالجوں میں پروفیسر دین کے سلسلے میں طلباء کو بڑا تنگ کرتے تھے۔ ایک سکول میں ایک استاد بچوں کو کہہ رہا تھا کہ یہ بس جو کھڑی ہے، اللہ تعالیٰ سے کہو کہ اس کو چلا دے۔ اللہ کی شان کہ طالبعلم نے اسے ایسا منطقی جواب دیا کہ استاد کی عقل کو چکرا دیا، اس نے کہا کہ اگر ایسے ہی کھڑی بس بغیر وجہ کے چل جایا کرے اور چلتی بس کھڑی ہو جایا کرے تو پھر تو تم زندگی نہیں گزار سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی گزارنے کے لیے اصول بنائے ہیں۔ افغانستان ہی کے لطیفوں

میں ہے کہ ایک سکول میں ایک استاد کہہ رہا تھا یہ کیا چیز ہے؟ لڑکے کہتے کہ ٹوپی ہے۔ وہ کہتا کہ کیوں؟ اس لیے کہ نظر آرہی ہے۔ یہ بلیک بورڈ ہے کیونکہ ہمیں نظر آرہا ہے۔ یہ کتاب ہے جو نظر آرہی ہے۔ اس نے طلباء کو یہ اصول ذہن نشین کرایا کہ مانتے اس چیز کو ہیں جو نظر آتی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ خدا کہاں ہے؟ تو چھوٹے بچے کیا جواب دیں۔ ایک بچے پر اللہ نے کھولا اور اس نے کہا کہ یہ استاد کی ٹوپی ہے جو نظر آرہی ہے، یہ اس کے کپڑے ہیں جو نظر آرہے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ استاد کی عقل نظر آرہی ہے؟ بچوں نے کہا کہ نہیں نظر آرہی۔ تو اس نے کہا کہ نظر نہیں آتی تو پھر نہیں ہے۔ اس طرح اس نے استاد کو ہی اس کے اپنے اصول سے بے عقل قرار دے دیا۔ عام انسانوں کے لیے اللہ نے کائنات میں اصول بنائے ہیں۔ یہ بیماری ہے، یہ اس کی تشخیص ہے، یہ اس کی دوائی ہے، یہ احتیاط کرو گے۔ لیکن کوئی احتیاط، کوئی دوائی، کوئی وسیلہ، کوئی سبب بذاتِ خود کسی کو فائدہ نقصان نہیں دیتے۔ ان کو ہم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے اور اس حکم کو پورا کرنے کا ثواب حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے اظہار کے لیے کہ اے اللہ! ہم آپ کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے محتاج ہیں۔

ایک بادشاہ نے کسی بزرگ سے نصیحت کی درخوست کی۔ اللہ والوں کے علوم معرفت ہوتے ہیں۔ ایک عقلی علوم ہیں ایک نقلی علوم ہیں اور ایک معرفت والے علوم ہیں ہے۔ نقلی علوم تو قرآن پاک کی آیات اور احادیث کا ترجمہ کر کے بیان ہوتے ہیں، عقلی علوم کے ضابطے عقل اور تجربے سے تعلق رکھتے ہیں اور معرفت والے علوم ان نقلی علوم پر مسلسل عمل، غور وفکر، ان کو پڑھنا پڑھانا اور ان کے مطابق باطن کے حالات حاصل کرنے کے لیے مجاہدات کرنے سے کھلتے ہیں اور وہ نقلی علوم کے تابع ہیں۔ یہ کوئی عارف دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں قرآن وحدیث سے بے نیاز ہو کر کوئی چیز بیان کر سکتا ہوں۔ اللہ والے چھوٹی چھوٹی مثالوں سے معرفت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ بادشاہ کے لیے پانی لایا گیا تو انھوں کہا کہ بادشاہ سلامت اگر آپ کی پیاس کی وجہ سے جان جا رہی ہو اور ایک گلاس پانی کا ہو اور یہ سودا ہونے لگے کہ مملکت چاہیئے کہ پانی چاہیئے تو اس وقت کیا کرو گے؟ تو بادشاہ نے کہا کہ مملکت دے کر پانی کا گلاس لوں گا۔ پھر ان بزرگ نے کہا کہ بادشاہ سلامت اگر یہ پانی آپ پی لیں اور اس کا پیشاب بنے اور وہ رک جائے اور نکلے نہیں اور پھر یہ بات سامنے آجائے کہ آپ کی مملکت اور پیشاب کے خارج ہونے کا سودا ہو جائے تو پھر آپ کیا کریں گے؟ تو بادشاہ نے کہا کہ میں مملکت دے کر پیشاب کے اخراج والا سودا کروں گا۔ تو انھوں نے کہا کہ آپ کی مملکت

تو ایک گلاس پانی اور ایک بار پیشاب کرنے کے برابر بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اے انسان تو اس ذاتِ ذوالجلال کو پہچان جس کے صبح سے شام تک ہزاروں لاکھوں احسنات ہوتے ہیں۔ ہر وقت ہزاروں لاکھوں سگنل عالمِ بالا سے ہماری طرف چل رہے ہیں اور کام کر رہے ہیں۔ صبح سے شام تک آنکھ کتنی بار جھپکتی ہے؟ ایک منٹ میں ہم دس دفعہ تو آنکھ جھپکتے ہوں گے، تو اس طرح چوبیس گھنٹوں میں چودہ ہزار چار سو دفعہ ہو گیا۔ تو دن رات میں چودہ ہزار چار سو دفعہ عالمِ بالا سے آنکھ کے جھپکنے کا حکم آیا اور اس کے تحت ڈاکٹروں کی اصطلاح میں دو عناصر سوڈیم اور پوٹاشیم نے Nerve membrane یعنی دماغی خلیے پر اثر کر کے بجلی کی رو پیدا کی اور بجلی دوڑی۔ آنکھ کا جھپکنا ہے، کانوں کا سننا، ناک کا سونگھنا، زبان کا بولنا اور چکھنا، ہاتھ پاؤں کی حرکت ہے، ان سب میں یہ عمل ہر منٹ اور ہر سیکنڈ جاری ہے۔ ایک گردے میں دس لاکھ نالیاں پیشاب صاف کرنے پر مقرر ہیں ایک وقت میں پانچ لاکھ نالیاں کام کرتی ہیں اور باقی پانچ لاکھ محفوظ رہتی ہیں۔ اگر کوئی نالی ختم ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری نالی کام کرنے لگتی ہے، دو گردوں کا ایک چوتھائی بھی اگر باقی رہ جائے تب بھی آدمی کے بدن کی ضرورت کو پورا کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ بھی نہ رہے تو ہر ہفتے ڈائیلاسس کرانا پڑتا ہے جس کا تین ہزار روپے خرچہ ہوتا ہے اور درد و کرب کی تکلیف الگ ہوتی ہے

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَاط اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ o (ابراھیم:۳۴)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر (ان کو) شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے، (مگر) سچ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف بڑا ہی ناشکرا ہے۔

انسان بڑا ہی ناشکرا اور بڑا ہی ظالم ہے کہ نفس کے عارضی مزے کے پیچھے ہو کر اس پیدا کرنے والی ذات ذوالجلال کو بھول جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں آیاتِ آفاقی اور آیات انفسی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تذکرہ ہے وہاں پھر بطور گلہ کے قرآن پاک انسانوں کو کہتا ہے کہ ایسے اللہ کو بھول کر تم اس کی نافرمانی کرتے ہو، اس سے منہ موڑتے ہو اور نفس کے مزوں کے پیچھے جاتے ہو۔ آدمی اللہ کے غیر کو بجائے اللہ کے لیتا ہے اور اس کے پیچھے جاتا ہے، اور اپنے پر اتنا بڑا ظلم کرتا ہے۔

عرض یہ تھی کہ سارے کے سارے اسباب سایہ، ظل اور بہانہ ہیں، اور ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جانے والے ہیں، ان کا وجود انسانوں کی تسلّی کے لیے اللہ نے قائم کیا ہے۔ بیماری میں آدمی ڈاکٹر کے پاس پہنچ جاتا ہے اس کی کچھ تسلی ہو جاتی ہے، پیسے خرچ کر لیتا ہے تو کچھ آسرا ہو جاتا ہے، دوائی کھا لیتا ہے تو آدمی کہتا

ہے کہ کچھ ہو گیا۔اس لیے بزرگ کہتے ہیں بغیر اسباب کے توکل کرنا آسان ہے، کہ جب کچھ ہے نہیں تو آدمی کہتا ہے اللہ کا آسرا ہے وہ جو کرے گا ہو گا۔اور جب سارے اسباب اعلیٰ سے اعلیٰ موجود ہوں اور اختیار کیے ہوئے ہوں اور پھر آدمی یہ سمجھ رہا ہو کہ اللہ پاک کرے گا اور جب تک اللہ تعالیٰ نہیں چاہے گا تو نہیں ہو گا یہ توکل مشکل ہے، کیونکہ اب آدمی بے نیاز ہوتا ہے اور اس کی طبیعت توکل کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ماسٹر اسلم صاحب ہمارا ایک ساتھی ہے وہ ایک دفعہ آیا، میں نے کہا کس لیے آئے ہو؟ تو اس نے کہا کہ تبدیلی کرانی ہے ،ڈویژنل ایجوکشنل افسر فلانا ہے جو ہمارا دوست ہے، ڈسٹرک افسر فلانا ہے جو ہمارا دوست ہے بس جاتا ہوں اور آج تبدیلی کراتا ہوں۔اس نے جوں ہی یہ بات کہی تو میرے دل میں یہ بات کھٹکی کہ اس نے تو اسباب کا ایسے تذکرہ کیا کہ گویا اسباب سے کام بنتا ہے، اللہ خیر کرے۔اب گیا اور سارا دن پھرتا پھراتا شام کو تھکا ماندہ واپس آیا اور کہنے لگا خدا فلانے کو غرق کرے، خدا فلانے کو غرق کرے، میرا کام نہیں کیا۔میں نے سوچا کہ ان کو کیا اختیار تھا کام کرنے کا۔کام کرنا نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کا اختیار تھا، اللہ نے نہیں چاہا تو نہیں ہوا۔

دیوبند کے بانیوں میں سے حاجی عابد علی صاحب ہیں، آپ عالم تو نہیں تھے لیکن بہت بڑے عارف اور تعلق مع اللہ والے تھے اور بہت متصرف فقیر تھے اور ان کے دم تعویذ میں بڑی تاثیر تھی۔ایک دفعہ ان کے معتقدین میں سے ایک شخص کسی مقدمے کے سلسلے میں عدالت میں پیش ہوا، جب جج کے سامنے بیان دینے لگا تو اس نے کہا ذرا صبر کریں میں ابھی آیا، دوڑ کر باہر گیا اور اپنی پگڑی سر پر رکھ کر واپس آ گیا۔جج نے کہا کہ کہاں چلے گئے تھے؟ تو اس نے کہا کہ حاجی صاحب کا تعویذ لایا تھا وہ باہر رہ گیا تھا اسے لینے گیا تھا۔جج نے کہا دیکھتے ہیں حاجی عابد علی صاحب کا تعویذ کیا کام کرے گا، ابھی تمہارے خلاف فیصلہ لکھتا ہوں۔تو جج نے اس کے خلاف فیصلہ لکھ کر دستخط کر کے دے دیا۔لیکن جب آدمی کو فیصلہ ملا تو اس کے حق میں تھا، اس نے جا کر فیصلہ نافذ کرا دیا۔جج صاحب کو پتہ چلا تو اس نے کہا کہ یہ کیسے ہو گیا میں نے تو اس کے خلاف فیصلہ لکھا تھا۔تو اس نے جہاں should not be given لکھنا تھا وہاں بھول گیا اور should be given لکھ دیا اور اس کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ واقعی not مجھ سے بھول گیا۔

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ اسباب کے ہوتے ہوئے توکل کرنا مشکل ہے، کہ سارے اسباب کو اختیار کرنے کے بعد پھر آدمی کے دل میں یہ ہو کہ یہ محض ایک وسیلہ ہیں اور پھر دل دعا کی طرف ایسے متوجہ ہو جیسے بغیر اسباب کے ہوتا ہے کہ ”یا اللہ تو ہی کریگا، یا اللہ تیرا ہی آسرا ہے۔“

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے ایک تبدیلی کروانی تھی۔ان دنوں ہاشم خان صاحب وزیر تعلیم ہو گئے، میں نے ایک درخوست ان کے گھر بھیجی اور گھر والی کو ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ صبح اس کو جیب میں ڈال کر دینا کہ ہماری تبدیلی کرا دے۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے بڑے لحاظ والے آدمی تھے، صبح واقعی جیب میں ڈال کر لے گئے، اپنے پی اے کو دی اور ایبٹ آباد بھیجی۔ان کے پی۔اے کو میں نے کہا کہ میں فلانے دن جاؤں گا آپ ذرا ٹیلی فون کر دینا، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔میں ڈسٹرک ایجوکیشن آفس گیا تو سوچا کہ پہلے کلریکل سٹاف سے پوچھوں کہ اس پر کیا عمل درامد ہوا ہے، فائل کیسے چلی ہے۔انھوں نے جواب دیا کہ کوئی پوسٹ ہی نہیں ہے، میری زبان سے فوراً نکلا ''یا اللہ اسباب تو یہیں تک تھے میں نے اختیار کر لیے، اس سے آگے میرے بس میں نہیں ہے، تو ہی کر دے۔'' دعا کر لی اور پھر جوں ہی ڈسٹرک ایجوکیشن افسر کے پاس گیا اسی وقت پی۔اے کو کہیں یاد آیا اور اس نے ٹیلی فون کر دیا، جوں ہی میں کمرے میں داخل ہوا تو اس کے سامنے ایک کاغذ پڑا ہے جس پر بڑا بڑا میرا نام لکھا ہوا ہے، میں نے کہا السلام علیکم، اس نے کہا پخیر ڈاکٹر صاحب آپ آ گئے۔اس نے تھوڑی دیر میں ہلچل مچادی، کہ فلاں رجسٹر لاؤ، فلاں رجسٹر لاؤ۔اس نے کہا کہ آپ خفا نہ ہوں تھوڑا سا اس میں کام کرنا پڑے گا، پھر آپ تکلیف نہ کریں، کسی کو بھیج دیں۔میں نے کہا کہ یا اللہ کر تو آپ خود ہی رہے تھے لیکن ہم پر وہ حال طاری کیا کہ یا اللہ ہم کیا کریں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا ایک شعر حضرت مولانا صاحب سنایا کرتے تھے ؎

آپ ہی کرتے وہ سارے کام ہیں   آپ ہی کر دیتے کسی کا نام ہیں

معجزہ اور کرامت میں من جانب اللہ بغیر اسباب کے ہوتا ہے، اور تصرف میں روح کی قوت سے ہوتا ہے، تصرف کرامت نہیں ہے یہ روح کی قوت ہے۔ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگل میں سفر پر تھے، پیاس لگ گئی اور پاس کہیں پانی نہیں تھا۔دیکھا کہ آگے بکریاں چر رہی ہیں، چرواہا ڈھونڈھا، اس کو ابو بکر صدیقؓ نے کہا کہ کسی بکری کا دودھ دوھ کر ہمیں پلا سکتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں تو نوکر ہوں اور یہ بکریاں تو فلانے آدمی کی ہیں میں اس کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔اسلام سے پہلے بھی عربوں میں دین ابراھیمی کا ایک تأثر باقی تھا۔پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ''اچھا کوئی ایسی ہی لاؤ جو بے دودھ کی ہو (یا جس نے بچہ نہ دیا ہو)۔ چرواہے نے کہا'' ویسی تو ہے مگر یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کس کام کی ہے؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم لاؤ تو سہی۔'' چرواہے نے ایک بکری پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً تھن کو دودھ سے بھر دیا۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے اتنا دودھ نکالا کہ تینوں نے سیراب ہو کر پیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے تھن خشک ہو کر اپنی اصلی حالت پر آ گئے۔ یہ چرواہا کہتا ہے کہ وہ آدمی تو چلا گیا، میں پہچانتا بھی نہیں کہ آدمی کون ہے، لیکن مجھے اتنا یاد ہے کہ وہ ایسا آدمی تھا جس کی آنکھیں اور نگاہیں بہت ہی اطمینان والی تھیں۔ وہ کوئی الفاظ ہیں عربی کے حضرت مولانا صاحب فرمایا کرتے تھے رجل ذو نظر مطمئنہ کہ ایک مرد دو بہت ہی اطمینان والی آنکھوں والا تھا۔ اب وہ بار بار یاد آ رہے ہیں، سارا دن سوچتا رہا پھر یہ فیصلہ کیا کہ بکریاں تو مالک کے حوالے کرتا ہوں اور میں اس آدمی کو ڈھونڈتا ہوں، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ ان کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ علم سے بھرا ہوا برتن ہیں۔ ہمارا فقہ حنفی دو علماء کی قرآن و حدیث کی بیان کی ہوئی تشریح ہے، ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اور ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی۔

سوال: حاضرین میں سندھ سے آئے ہوئے ایک مہمان نے سوال پوچھا کہ دوئی (غیر اللہ کے تأثر) کو کیسے ختم کیا جائے؟

جواب: اس میں اس طرح ہے کہ توحید کا اور دوئی ختم ہونے کا ایک ایسا مقام ہے کہ جس پر غیر اللہ کی تاثیر اور سب چیزیں باطل ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ پانی پر چلتے ہیں، ہوا مسخر ہو جاتی ہے۔ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کی مثال گیند پھینکنے کی طرح ہوتی ہے ک آدمی گیند پھینکتا ہے جو اوپر چڑھتی ہے اور ایک بلندی تک پہنچ کر اسے چھوتی ہے لیکن وہاں ٹھہر نہیں سکتی ہے پھر وہاں سے واپس آتی ہے، اس جگہ کو ایک ہی دفعہ چھو سکتی ہے، یہ جو حال ہوتا ہے اس کو بھی آدمی کسی کسی وقت چھوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ جب دریائے دجلہ کے کنارے گئے تو اس وقت ایمانی سطح اس حال کو چھو رہی تھی تو دریا پر قدم رکھا اور پار ہو گئے۔ لیکن یہ حال ہر وقت نہیں ہوتا بہر حال دوئی کا اتنا ختم کرنا تو فرض واجب ہے کہ جس میں آدمی اللہ تعالیٰ کے فرض واجب حکم کو نہ توڑے۔ اب آپ کو غیر اللہ سے ایک فائدہ مل رہا ہے لیکن اللہ کا حکم توڑنا پڑتا ہے، اب یہاں دوئی کا مقابلہ آ گیا ہے کہ آیا آپ مفاد کو لے کر حکم کو توڑتے ہیں تو آپ نے ایک کو چھوڑ کر دوئی اختیار کر لی اور عملی کفر اختیار کر لیا، اعتقادی کفر تو نہیں ہوا کہ آپ دل سے کہتے ہیں کہ بات ٹھیک تو ویسے ہی ہے لیکن ہم کمزور ایمان والے

ہیں۔ تو یہ بات آہستہ آہستہ حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لیے چار محنتیں کرنی ہوتی ہیں، ایک قول و بول کی محنت، ایک سوچ فکر کی محنت، ایک آنکھ اور دیکھنے کی محنت اور ایک سننے کی محنت، جب یہ چاروں محنتیں عرصہ دراز تک ہوتی ہیں کہ آدمی توحید کو بولتا ہے اس کے خلاف نہیں بولتا، توحید کو سنتا ہے اس کے خلاف نہیں سنتا، توحید کے خلاف کوئی بولتا ہے تو یہ دل سے اس کا رد کرتا ہے کہ غلط کہہ رہا ہے ایسے نہیں ہے، کسی کی زندگی پیسے سے نہیں بنتی، کسی کی زندگی عہدے سے نہیں بنتی۔ تو آدمی قول بول کو درست کرتا ہے، سننے شنوائی کو درست کرتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں تو نظر اندر ایک بات داخل کرتی ہے کہ یہ موٹر ہے، یہ بنگلہ ہے، یہ عہدہ ہے، یہ کرسی ہے، یہ زمینیں ہیں یہ جائیدادیں ہیں، ان سے زندگی بننے کا تأثر نظر اندر داخل کرتی ہے۔ تو فنا کی نظر سے دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ پڑی مٹی ہے جو سڑک کے کنارے ہے، یہ عمارت ہوگئی یہ کھڑی مٹی ہے، مٹی ہونے میں دونوں ایک ہیں۔ یہ نگاہ کا مجاہدہ کرنا ہوتا ہے اور اس پر کوشش کرنی ہوتی ہے۔ پھر غور و فکر کرنا ہوتا ہے، اس سے آہستہ آہستہ یوں ہوتا ہے جس طرح آپ پیپل کا بیج پھینکتے ہیں چھوٹی سی ایک چیز سوئی کے برابر نکلتی ہے اگر اس پر آپ پیر رکھیں تو ختم ہو جاتی ہے، وہ پانی ہوا روشنی کو لیتی ہے اور کرتے کرتے جب چالیس پچاس سال گزر جاتے ہیں تو ایسا پیپل کا درخت بن جاتا ہے جس کو آروں سے کاٹا نہیں جا سکتا۔ دیہاتی آدمی اس کو کلہاڑے سے کاٹتا ہے مہینہ لگے یا پندرہ دن لگیں، اور جلدی کاٹنے کے لیے اس کے درمیان میں بارود ڈالتے ہیں اور اس کا دھماکہ کرتے ہیں پھر کہیں کٹتا ہے، ایسا مضبوط درخت ہوتا ہے۔ پہلے تو وہ پاؤں کے نیچے آکر ختم ہوتا تھا اب اگر ٹرک اس کے ساتھ ٹکرائے تو ٹوٹ پھوٹ کر گر جائے، کرین اس کو اکھاڑ نہ سکے۔ ایسے ہی عرصہ دراز میں آہستہ آہستہ اندر توحید جمتی ہے اور نقشِ دوئی (غیر اللہ) دھلتا ہے اور کرتے کرتے آخر بات دل میں جم جاتی ہے۔ مسعود الرحمٰن آج نہیں آیا، اس نے ''مردِ درویش'' پڑھی اور پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے اس میں حدیث مسلسل کا لکھا ہے کہ اس کی اجازت ہوتی ہے۔ حضرت مولانا محمد اشرفؒ کو حدیث مسلسل مولانا یوسف بنوریؒ سے ملی تھی۔ تو مسعود الرحمٰن کہہ رہا تھا کہ اب تین چار دفعہ میں بھی مجالس میں آچکا ہوں اب ہماری بھی حدیث مسلسل کی اجازت ہونی چاہئے۔ میں نے کہا کہ یہ تو بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ کیسے ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ بنی اسرائیل میں جب جہاد ہوتا تھا تو سب سے آگے تابوتِ سکینہ رکھا جاتا تھا۔ تابوت سکینہ ایک بڑا صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، چغہ اور تورات کی تختیاں ہوتی تھیں، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ تابوت سکینہ کے تبرک کا قرآن کی آیت میں ذکر آیا ہوا ہے، بعض لوگ

بزرگوں کے تبرکات کو نہیں مانتے تو اس پر تو قرآن کی آیت گواہی دے رہی ہے۔تو میں نے کہا کہ تابوت سکینہ کے آگے جہاد میں چار جرنیل کھڑے ہوتے تھے،اور جب وہ وہاں قدم رکھتے تھے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے جان دے دی کیونکہ ان کے زندہ واپس آنے کے حالات نہیں ہوتے تھے۔تو اس نے کہا کہ اچھا!......یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔

سنت پر نفس کی خواہش کو قربان کرنا یہ مجاہدہ آتا ہے، پھر مفادات کو قربان کر کے حکم کو لینا، پھر نفس کے مزوں کو چھوڑنا اس ٹیسٹ کو پاس کرنا ہوتا ہے اور اس کے بعد بات بنتی ہے۔کبھی کبھی آپ کو سنایا کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ حضرت ابوسعید گنگوہیؒ گزرے ہیں،ان کا واقعہ حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں بھی آیا ہے جس دن پڑھا گیا تو ہمارے فقراء نے ایسی چیخیں ماریں کہ لوگ کہتے تھے کہ کوئی مرگیا ہے یا کیا ہو گیا ہے ۔دوسرے دن شیخ سعدیؒ کی گلستان کا درس تھا اس میں ایسا ہنسی کا واقعہ تھا کہ ہنس ہنس کے شامت ہو رہی تھی۔ میں نے کہا کہ لوگ کہیں گے کہ عجیب فقراء ہیں کہ کل چیخیں مار کر رو رہے تھے اور آج ہنس ہنس کر اچھل رہے ہیں۔بزرگوں کی عجیب شانیں ہوتی ہیں، شیخ سعدیؒ کا فیض ہنسی مذاق میں بند ہے اس سے ملتا ہے۔تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ جس وقت حضرت ابوسعید گنگوہیؒ کی حضرت نظام الدین بلخیؒ تربیت کر رہے تھے اور ان کے نفس کو توڑ رہے تھے تو اس میں ان کے ذمے مختلف قسم کے کام لگائے ہوئے تھے۔حضرت صاحب کی بیوی نے کہا کہ بچوں نے جو کبوتر پالے ہیں ان کو روزانہ بلی آ کر کھا جاتی ہے، اتنے تمہارے مرید ہیں کسی سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ اس کا بندوبست کرلے۔تو انھوں نے ابوسعیدؒ سے کہا کہ کبوتروں کا بندوبست کرو کہ بلی ان کو کیسے کھا جاتی ہے۔اب بیچارے سارا دن کوشش کرتے رہے جو سوراخ جو راستہ ملتا تھا سب بند کر دیے،لیکن پھر بلی آئی اور کبوتر کھا گئی۔آخر وہ غور کرتے رہے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک جگہ ہے جہاں پانی کی نالی ہے اور بلی اس نالی سے آجاتی ہے، رات کو انھیں اس وقت پتہ چلا جب نالی کو بند کرنے کا کوئی سبب اور وسیلہ ان کے پاس نہیں تھا اور کافی تھک بھی گئے تھے انھوں نے اس طرح کیا کہ سر نالی کے اندر دے کر اس کو بند کر دیا اور سو گئے، اب رات کو بارش ہوگئی اور نالی کا پانی جو رکا اور گھر والوں کو تکلیف ہوئی تو ایک بڑا ڈنڈا لے کر نالی میں مارا، نالی تو نہیں کھلی لیکن تھوڑی دیر کے بعد خون کا ایک دھارا وہاں آگیا جا کر جو دیکھا تو ان کا سر پھٹا ہوا تھا۔بس ان کو اٹھایا کہ سبحان اللہ کہ انھوں نے امتثالِ امر کے لیے اپنا سر پھوڑ دیا۔ایک یہ واقعہ ان کا ہے اور ایک دوسرا جب ان کو شکاری کتوں کو روکنے کا کہا کہ برخوردار ان شکاری کتوں کو کسی حال میں نہیں چھوڑنا۔کہتے ہیں کہ کتے جب

دوڑے تو مجھے اندازہ ہوا کہ میرے ہاتھ سے نکل جائیں گے تو میں نے اپنی کمر سے ان کی زنجیر باندھ لی، جب میرا زور ختم ہوگیا تو میں گرا، کتے نے جھاڑیوں میں، کنکروں پر اور پتھروں پر گھسیٹا۔ شیخؒ نے دیکھا کہ اس نے اپنی طرف سے حکم پر جان بھی دے دی۔ باطن میں ایک صفائی ہوتی ہے جو ان مجاھدات کے بعد آتی ہے بس...... پھر اس صاف تختی پر لکھنا تو اتنا لمبا کام نہیں ہوتا، تھوڑی دیر میں لکھ لکھا کر آدمی کو فارغ کر دیتے ہیں۔ وقت جو لگتا ہے وہ صفائی پر لگتا ہے۔ تو انھیں کہا کہ اب آپ ہندوستان جائیں گے اور جس دولت کو میں آپ کے دادا حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ سے لے کر آیا تھا اس کو آپ اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔

سلسلے میں ایک آدمی تنا ہوتا ہے اور باقی شاخیں ہوتی ہیں، کوئی ایک آدمی ایسا قبول ہوتا ہے جو تنے کے طور پر آگے چلتا ہے، حضرت ابوسعید گنگوہیؒ ہمارے سلسلے چشتیہ صابریہ میں تنے کے طور پر ہیں۔ جب بھی ہم شجرہ پڑھتے ہیں تو اس میں ان کا نام بھی ہوتا ہے۔ سبحان اللہ ایک دو دن کی بات نہیں ہے۔

تو خاک میں مل تو آگ میں جل جب اینٹ بنے تب کام چلے
ان کچی پکی بنیادوں پر تعمیر نہ کر تعمیر نہ کر

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ''۸ '' سے) فرائیڈ کو ہر چیز میں شہوات (Sex) ہی نظر آتی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے نظامِ تعلیم میں دین کو اہمیت ہی نہیں دی گئی ہے۔ ورنہ اگر ہماری نفسیات کے نصاب تعلیم میں ایمانی نفسیات کا ایک باب بھی ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ ہماری رتی ان کے من اور ہمارا ذرہ ان کے صحرا کے برابر ہے۔ ہمارے ہاں حقیقت ہی حقیقت اور مغز ہی مغز ہے اور ان کے ہاں مجاز اور قشر ہے حالانکہ وہ مجاز کو بھی کماحقہٗ نہیں جانتے۔ مجاز کو بھی وہی جانے جو صاحب اعجاز ہو۔ بس اللہ کے تعلق کا ایک تیر ایسا لگ جائے کہ دل کے پار ہو جائے۔ بقول سید سلیمان ندوی صاحبؒ ؎ کوئی ایسی چوٹ سی لگ جائے یارب میرے سینے میں

کہ فوارہ سا بن جائے یہ زخمِ خونِ چکانِ دل

؎ اگر عشق کی چوٹ کاری لگے
تو پھر زندگی کیوں نہ بھاری لگے

اصل میں ہم مکھیوں اور مچھروں پر جان دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

نماز کے بعد پڑھنے کی چند چیزیں

(۱) حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور آیت

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (ال عمران: ۱۸) اور

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (ال عمران: ۲۶، ۲۷) تک پڑھا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمائیں گے اور جنت میں جگہ دیں گے اور اس کی ستر حاجتیں پوری فرمائیں گے جن میں سے کم سے کم حاجت اس کی مغفرت ہے۔

(معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۵)

(۲) امام بغویؒ نے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور آل عمران کی دو آیتیں ایک آیت **شھدا للّٰہ انہ لآ الہ الا ھو** آخر تک اور دوسری آیت **قل اللھم ملک الملک** سے **بغیر حساب** تک پڑھا کرے تو اس کا ٹھکانہ جنت میں بنادوں گا، اور اس کو اپنے حظیرۃ القدس میں جگہ دوں گا، اور ہر روز اس کی طرف ستر مرتبہ نظر رحمت کروں گا، اور اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا اور ہر حاسد اور دشمن سے پناہ دوں گا، اور ان پر اس کو غالب رکھوں گا۔ (معارف القرآن: ج ۲، ص ۴۷)

(۳) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہے جو سیدہ آیات القرآن ہے، وہ جس گھر میں پڑھی جائے شیطان اس سے نکل جاتا ہے،

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نمازِ فرض کے بعد آیت الکرسی پڑھا کرے تو اس کو جنت میں داخل ہونے کے لیے بجز موت کے کوئی مانع نہیں ہے، یعنی موت کے بعد فوراً وہ جنت کے آثار اور راحت و آرام کا مشاہدہ کرنے لگے گا۔ (معارف القرآن ج ۱، ص ۶۱۲)

کیفیت احسان وحضور

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حاضر وناضر جاننے کے دائمی دھیان کا نتیجہ احسان وحضور کی وہ کیفیت ہے جو خاصانِ الٰہی کا سرمایۂ تسکین ہے۔

قرب بے غیبت نماز عاشقاں — فی صلوة دائمونم آرزوست

خوش نمی آید نماز بے حضور — فی صلوة خاشعونم آرزوست

می برد بے تابئ دل کو بکو — بردرت صبر و سکونم آرزوست

بسکه وزدیده نظر برمن فگن — نشتر زخم درونم آرزوست

(سید الملۃ حضرت سید سلیمان ندویؒ)

ترجمہ:

عاشقوں کی نماز ایسی قرب والی نماز ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے دھیان سے غائب ہونا نہیں ہے، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ○

مجھے حضور اور دھیان کے بغیر نماز پسند نہیں آتی۔ میری آرزو نماز میں خشوع کی ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○

مجھے دل کی بے چینی گلی گلی پھرا رہی ہے، تیرے دروازے پر صبر اور سکون کی آرزو ہے۔

بس اب تو ایک چوری چوری نظر ہم پر ڈال لو کیونکہ دل کی چاہت یہ ہے کہ اس نظر کے نشتر سے اندر ایک زخم ہو جائے۔

حضرت شیخ ہی کا ایک اور شعر ہے۔

حاصل رہے کیفیت ہر وقت حضوری کی — آ دل میں مرے چھپ جاے صورتِ جانانہ

جب اللہ تعالیٰ کے حاضر وناضر ہونے کا مراقبہ پختہ ہو جاتا ہے اور ذات باری تعالیٰ کا دھیان رسوخ حاصل کر لیتا ہے تو خود بخود حضور واحسان کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور تحسینِ عمل کے جذبہ سے اعمال میں حسن وخوبی اور صدق وکمال پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں ''مرتبۂ احسان یہ ہے کہ اعمال اس طرح ادا ہوں جیسے مزدور مالک کے حضور میں کام کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حاضر وناضر ہونے کا

یقین اس طرح چھا جائے کہ گویا وہ بالکل سامنے ہیں اور وہ ہمارے کام کو غور سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم اس کی بجا آوری میں کوتاہی تو نہیں کرتے۔اس اذعان (یقین) کا اثر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے دھیان کی نعمت نصیب ہوگی ،دوسرے اعمال کو سنوار کرادا کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ مالک کے سامنے مزدور کام کو بگاڑا نہیں کرتے۔

حضرت الشیخؒ (سید سلیمان ندویؒ) ایک دوسرے مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں ''(حدیث احسان کا) صحیح (ترجمہ) یوں ہے، اللہ کی عبادت ایسی کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے''۔اب خواہ ہم بادشاہ کو دیکھ رہے ہوں یا بادشاہ ہم کو دیکھ رہا ہے دونوں کا حاصل ایک ہے کہ ہم اپنی نماز کو پورے خضوع، آداب اور انہماک کے ساتھ ادا کریں۔مراد یہ ہے کہ اپنی عبادت کو خوب سنوار سنوار کر تمام حسن و کمال اور ظاہری و باطنی احکام و آداب کے اہتمام کے ساتھ انجام دیں۔کہ جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کو گویا عیاں دیکھ رہا ہو یا اس کا یقین و استحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ خلوت و جلوت ہر حالت میں مجھے دیکھ رہے ہیں، وہ شخص عبادات و جملہ احکام کی بجا آوری میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرے گا اور اپنی ظاہری و باطنی جملہ صلاحیتوں کو اپنی پوری قدرت و طاقت کے ساتھ عبادت کی تکمیل، اس کے حسنِ ادا، اور اسے باحسن الوجوہ پورا کرنے میں صرف کردے گا۔جیسا کہ حدیثِ احسان کی تشریح میں امام نویؒ نے وضاحت کی ہے (صحیح مسلم شرح نوی)۔اور حدیث کیفیت احسان کا نام ہی بقول حضرت تھانویؒ اس لیے 'احسان' ہے کہ اس سے عبادت میں حسن و کمال پیدا ہوتا ہے۔

مرتبۂ احسان کی اس دوگونہ تاثیر و دلکشی کا اندازہ عارفِ صادق یا عبدِ کامل ہی کر سکتا ہے کہ عبادت کی تکمیل سے عنایاتِ رب اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور کیفیتِ احسان سے اسے حضور اور دھیان کی وہ کیفیت نصیب ہوتی ہے جس کی کیف انگیزیوں سے نطق گنگ اور قلم عاجز ہے۔

مرتبۂ 'احسان' اصطلاحِ حدیث نبوی ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ عبادت اس طور سے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دل میں پورا استحضار (دھیان) رہے کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں، یا یہ کہ میں انھیں دیکھ رہا ہوں۔

یہ کیفیت احسان ایک نعمت ہے اس لیے حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں ''یہ کیفیت احسان گاہے گاہے بھی میسر آئے تو بہت ہے۔اس پر شکر کیجئے اور ترقی کی دعا مانگا کیجئے۔''

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ہے: ''حضور قلب کا حصول ذکر و شغل کی ترقی کے ساتھ ہوتا جائے گا انشاء اللہ۔قلب کو افکار سے خالی رکھنا چاہئے تاکہ اس میں نور الٰہی بھر سکے۔''

حضور کی کیفیت کا دوام بھی کم خوش قسمتوں کو نصیب ہوتا ہے۔ حضرت والاؒ نے ایک صاحب کو لکھا،

''جس قدر بھی حضور نصیب ہو وہ شکر کے قابل ہے دوامِ حضور کم کسی کو نصیب ہوتا ہے۔''

لیکن اس کمی سے سالک کو ہمت پست نہ کرنا چاہئے اور استقامت سے اپنے کام میں لگے رہنا چاہئے، جو کچھ عطا ہو اس پر شکر ادا کرنا چاہئے، لیکن بعض بندگانِ خدا ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں قرب وحضور کی دائمی دولت نصیب ہوتی ہے۔ حضرت شیخ قدس سرہ ایک گرامی نامے میں کسی طالب کو ارقام فرماتے ہیں۔

''دائمی حضوری بھی انشاء اللہ تعالیٰ کبھی حاصل ہوگی لیکن اس وقت بھی جو کچھ حاصل ہو جاتی ہے شکر کے قابل ہے، شکر سے نعمت کی زیادتی ہوتی ہے۔'' (بحوالہ سلوک سلیمانی۔ حضرت مولانا محمد اشرفؒ)

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ''۲۸'' سے) آپؓ سے روایت کرنے والے تلامذہ میں آپ کی اولاد عروہ، حمزہ اور آپ کے مولیٰ زادا اور چچا زاد بھائی حسن بن حبہ ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت مسعود بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اکابر تابعین اور ان کے بعد کے حضرات میں سے قیس بن ابی حازم، مسروق بن اجدع، عروہ بن زبیر، قبیصہ بن دوئیب، نافع بن جبیر، بکر بن عبداللہ المرنی، اسود بن ہلال، زیاد بن علاقہ اور دیگر بہت سے حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ ۵۰ ہجری میں آپؓ کی وفات ہوئی۔ (کاتبین وحی۔ ابوالحسن اعظمی)

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے تو وہ کبھی بے اثر نہیں رہتی اور کبھی فتنہ وفساد پیدا نہیں کرتی۔ گویا کہ تین شرطیں بیان فرمادیں۔

۱) بات حق ہو ۲) نیت حق ہو ۳) طریقہ حق ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی برائی کے اندر مبتلاء ہے۔ اب اس پر ترس کھا کر نرمی اور شفقت سے اس کو سمجھائے تا کہ وہ اس برائی سے کسی طرح نکل جائے، یہ نیت ہو اور اپنی بڑائی مقصود نہ ہو اور دوسروں کو ذلیل کرنا مقصود نہ ہو۔ اور طریقہ بھی حق ہو یعنی نرمی اور محبت سے بات کہے۔ اگر یہ تین شرطیں پائی جائیں تو عموماً فتنہ فساد پیدا نہیں ہوتا۔ اور جہاں کہیں یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں فتنہ کھڑا ہو گیا تو غالب گمان یہ ہے کہ ان تینوں باتوں سے کوئی بات موجود نہ تھی۔ یا تو بات حق نہیں تھی، یا نیت حق نہیں تھی یا طریقہ حق نہیں تھا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

آپؓ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

مغیرہ بن شعبہ ابن عامر بن مسعود بن معتب بن مالک بن کعب بن عمرو بن سعد بن عوف بن قیس الثقفی۔ آپؓ کی کنیت ابوعیسیٰ یا ابومحمد یا ابوعبداللہ ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عمرہ حدیبیہ سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، حافظ ابن عبدالبرؒ ۵ ہجری لکھتے ہیں۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں آپ نے چند آدمیوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ اگر چہ آپ کے قبیلے بنوثقیف کے ایک بڑے رئیس عروہ بن مسعود نے ان کی طرف سے دیت ادا کر دی تھی لیکن پھر بھی آپ وطن میں نہ ٹھہر کر چھپتے چھپاتے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اسلام قبول کر کے یہیں سکونت اختیار کر لی۔ پیغمبر علیہ السلام سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو بے حد محبت تھی۔ ہمہ وقت خدمت اقدس میں رہتے اور خدمت میں لگے رہتے۔

چونکہ آپ پڑھے لکھے آدمی تھے۔ اس لیے دیگر خدمات کے ساتھ کتابت وحی کی سعادت بھی نصیب ہو جاتی۔ ۶ ہجری میں پیغمبر علیہ السلام نے عمرہ کے ارادے سے مکہ کا عزم فرمایا تو چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اس موقع پر قریش مزاحم ہوئے۔ پیغمبر علیہ السلام نے ایک سفیر روانہ فرمایا۔ جواب میں قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو (جو ابھی تک حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے) سفیر بنا کر بھیجا۔

عروہ بن مسعود جب پیغمبر علیہ السلام سے گفتگو کر رہے تھے۔ تو عرب کے عام رواج کے مطابق بار بار ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے چہرہ پر ڈھاٹا باندھے ہوئے (یا سر پر خود رکھے ہوئے) ہتھیار سے مسلح پیغمبر علیہ السلام کی پشت مبارک کی جانب کھڑے ہوئے تھے۔ عروہ کا انداز تخاطب آپ کو سخت ناگوار گزر رہا تھا۔ بار بار اپنی تلوار کے قبضہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے اور بالآخر صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور کڑک کر بولے:

"تجھے معلوم نہیں کہ کس سے مخاطب ہے۔ خبردار جو اب آگے ہاتھ بڑھایا۔"

عروہ نے آواز پہچان لی، بولے "او دغاباز، کیا تو میرے احسان کو بھول گیا۔" یہ اشارہ اس واقعے

کی طرف تھا جس میں عروہ نے آپ کی طرف سے خون بہا ادا کیا تھا۔ حضرت مغیرہ بولے۔ ''کچھ بھی ہو تم اپنا ہاتھ پیچھے رکھو۔''

حضرت مغیرہ بن شعبہ ان خوش بخت لوگوں میں سے ہیں، جنھیں حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس طرح آپ اس بیعت کی وجہ سے ''اصحاب الشجرۃ'' کی عظیم المرتبت جماعت میں شامل ہیں۔

صلح حدیبیہ کے بعد، خیبر، فتح مکہ، تبوک اور دیگر غزوات میں پیغمبر علیہ السلام کی ہمراہی کا شرف حاصل کیا۔

۹ ہجری میں اہل طائف کا ایک ذی اثر وفد عبد یا لیل کی قیادت میں مدینہ منورہ جا رہا تھا تو مدینہ منورہ کے قریب ''ذی حرض'' کے مقام پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ اس وقت وہاں اونٹ چرا رہے تھے۔ اس وفد کی غرض و غایت معلوم کر کے آپ کو بے حد خوشی ہوئی۔ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں اطلاع دینے کی غرض سے آپ دوڑ پڑے۔ راستے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس طرح بے تحاشہ بھاگتے ہوئے دیکھا تو حال دریافت کیا۔ انہوں نے وفد ثقیف کی آمد کی خبر دی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ یہ خبر انہیں ہی سنانے دیں۔ آپ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ ان کی بات مان کر واپس وفد کے پاس چلے گئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی االلہ تعالیٰ عنہ نے وفد ثقیف کی آمد کی اطلاع دی تو اس سے پیغمبر علیہ السلام کو بڑی مسرت ہوئی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دوران میں وفد کو لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔ وفد ثقیف کے حضرات کے رگ و ریشے میں جاہلیت رچی بسی تھی۔ باوجود حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم و تفہیم کے انہوں نے اپنے ہی دستور کے مطابق جاہلانہ انداز پر سلام کیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے اسے نظر انداز فرما دیا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو اپنے یہاں مہمان رکھنے کی درخواست کی۔ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں منع تو نہیں کرتا، تم ان کی میزبانی کرو۔ ان کی عزت کرو، لیکن انہیں ایسی جگہ ٹھہراؤ، جہاں قرآن کی آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی رہیں اور یہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر اس وفد کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں خیمہ لگا کر ٹھہرا دیا گیا۔

تلاوت قرآن کی صدائے دل نواز اور نماز جماعت کے روح پرور نظاروں سے متاثر ہو کر بالآخر چند شرائط پر اسلام قبول کر لیا۔ بنو ثقیف اپنے بت ''لات'' سے بہت خائف تھے۔ پیغمبر علیہ السلام سے اس بت کے بارے

میں پوچھا کہ اس کا کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسے توڑ دیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے لوگوں پر سکتہ طاری ہوگیا۔ عرض کیا ہم تو اسے چھونے کی بھی ہمت نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم یہ کام نہ کرنا۔ یہ کام ہمارے ذمے رہا۔

چند روز بعد پیغمبر علیہ السلام نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضر ابو سفیان بن حرب (ایک روایت کے مطابق حضرت خالد بن ولید کو بھی) طائف روانہ کیا کہ ''لات'' اور اس کے معبد کو ختم کردیں۔

حضر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کے آہ و بکا کی پرواہ کیئے بغیر اولاً لات کو توڑا، پھر بتکدے کی دیوار پر چڑھ کر دیواریں گرانی شروع کردیں۔

پیغمبر علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پوری بشاشت اور خوش دلی سے بیعت کی۔ عہد صدیقی میں مرتدین کے خلاف اس وقت تک مصروف جہاد رہے جب تک کہ ان کا پوری طرح قلع قمع نہ ہوگیا۔

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ عراق عرب کی مہم پر جانے والے مجاہدین کے ساتھ شریک ہوگئے۔

جنگ قادسیہ کے موقع پر ۱۴ ہجری میں بمقام ساباط بحکم امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے چودہ حضرات پر مشتمل ایک سفارت براہ راست ایرانی فرماں رواں یزدجرد کے پاس روانہ کی۔ اس سفارت کے ایک رکن حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

یزدجرد کا نامور جرنیل رستم ایک جہاں دیدہ، تجربہ کار اور دور اندیش سپہ سالار تھا۔ وہ عربوں کی شجاعت و بہادری سے واقف تھا۔ اس نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا کہ کوئی معتمد آدمی صلح کی گفتگو کے لیے بھیجو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یکے بعد دیگرے حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن محصن کو سفیر بنا کر بھیجا۔ جب یہ سفارت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی تو تیسری مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ ادھر رستم نے مرعوب کرنے کے لیے نہایت اہتمام سے دربار سجایا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ معمولی لباس میں بڑی بے نیازی سے رستم کے دربار میں داخل ہوئے اور سیدھے اس کے تخت پر اس کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس پر سارے درباری برہم ہوگئے اور حضرت مغیرہ رضی اللہ

عنہ کو تخت سے اتار دیا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”میں نے تو سنا تھا کہ اہل ایران بڑے باشعور اور مہذب ہیں لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ ایک شخص کو خدا بنا کر تخت پر بٹھا دیتے ہیں اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم عربوں میں یہ دستور نہیں۔ تم نے مجھے خود مہمان بنا کر بلایا ہے۔ اس لیے میرے ساتھ تمہارا یہ سلوک کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اگر تمہارے یہی اخلاق و اعمال ہیں تو سمجھ لو کہ تمہارے دن پورے ہو گئے ہیں۔“

حضرت مغیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس گفتگو سے رستم بہت شرمندہ ہوا۔ اس نے کہا کہ میں نے تمہیں اٹھانے کا حکم نہیں دیا تھا یہ ملازموں کی غلطی سے ہوا مگر یہ تو بتاؤ کہ تم اپنی اس بوسیدہ تلوار اور ذرا ذرا سے معمولی تیروں سے ہمارا کیا مقابلہ کرو گے؟

حضرت مغیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ بے شک میری تلوار بوسیدہ ہے، لیکن اس کی تیز دھار پر مجھے اعتماد ہے اور یہ تیر جو ہیں انہیں شعلہ آتش سمجھو جن کی صلاحیت جلانا ہے، چھوٹا ہو یا بڑا، آگ کا شعلہ تو آگ ہی ہے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رستم کے مابین کافی نوک جھونک رہی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر اپنی جوابی تقریر میں اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”اگر تم دین حق قبول نہیں کرتے تو دوسرے نمبر پر جزیہ دینا قبول کرو، ورنہ تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔“

رستم نے یہ سن کر آگ بگولہ ہو کر للکارتے ہوئے کہا:

”قسم ہے آفتاب کی، اب ہرگز تم سے صلح نہ ہوگی، کل تم کو ہلاک کر دوں گا۔“

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ”بہت اچھا، جو اللہ چاہے گا۔“

اس کے بعد تین روز تک سخت خون ریز جنگ ہوئی اور ایرانیوں کو عبرتناک شکست ہوئی۔

۱۵ ہجری میں نو تعمیر شدہ بصرہ کے گورنر حضرت عتبہ بن غزواں کی وفات پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ آپ نے اپنی امارت کے دوران بصرہ میں متعدد شاندار کارنامے انجام دیئے۔

۲۱ ہجری میں حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا گورنر بنایا۔

جنگ نہاوند اس سال پیش آئی، اہل سیر نے اس جنگ میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی شرکت کو خصوصیت سے

ذکر کیا ہے یہ جنگ حقیقتاً مسلمانوں کو ایران سے نکالنے کی یزدجرد کی آخری کوشش تھی۔ یزدجرد نے اس جنگ میں ایک آزمودہ کار ایرانی جرنیل مردان شاہ کی قیادت میں ڈیڑھ لاکھ فوج میدان جنگ میں جھونک دی۔

اس جنگ میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر فرما کر نہاوند کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔

اسلامی لشکر نے نہاوند سے چند میل دور اسیدہان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مردان کا پیغام پہنچا کہ کسی کو گفتگو کے لیے سفیر بنا کر بھیجو۔ اس بار بھی حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ اس موقعہ پر بھی آپ نے زبردست ہمت اور انتہائی بے باکی سے سفارت کا کام انجام دیا اور بے خوف ہو کر گفتگو کی۔

۲۴ ہجری میں حضرت عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حالات کے تحت نظم ونسق میں کچھ تبدیلیاں کیں تو حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے فاتح عراق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرمینیہ، غالباً وہاں بغاوت کو فرو کرنے کے سلسلے میں جہاد میں شرکت کے لیے چلے گئے اور کچھ مدت بعد وہاں سے مدینہ منورہ واپس آگئے۔ پھر پورے عہد عثمانی میں بالکل الگ تھلگ گوشہ نشین رہے پیشتر اوقات مسجد میں گزارتے تھے۔

۳۵ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی المناک شہادت کے بعد سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حامی تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت مخلصانہ مشورہ دیا مگر جواب اپنے مشورے کے خلاف پا کر خاموشی سے واپس چلے گئے اور پورے عہد خلافت میں (۳۵ ہجری سے ۴۰ ہجری تک) بالکل کنارہ کشی اختیار کی۔ نہ کسی فریق کی طرف سے جنگ جمل میں شریک ہوئے اور نہ جنگ صفین میں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے دور اندیش اور مردم شناس تھے۔ ۴۱ ہجری میں جب مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے نہایت فہیم وفریس اور صاحب تدبیر وسیاست حضرات کو اکٹھا کیا۔ انھیں حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ تھا اس لیے انہیں کوفہ کے اہم ترین صوبہ کا گورنر مقرر کیا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہانت وفطانت اور تدبیر وسیاست کا موافق ومخالف سبھی نے اعتراف کیا۔

عقل ودانش میں آپ کا شمار دُہاۃ العرب میں تھا اور اپنی غیر معمولی بیدار مغزی کی بدولت ''مغیرۃ الرائے'' کے نام سے مشہور تھے۔ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ ترین معاملات میں بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوسان خطا نہ ہوتے تھے، معاملات کو سلجھانے میں بڑی صلاحیت کے حامل تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ حضرت قبیصہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول نقل فرماتے ہیں کہ میں ایک طویل مدت تک حضرت مغیرہؓ کے ساتھ رہا۔ میں نے آپ کو اس قدر زیرک، بیدار مغز اور صاحب تدبیر پایا کہ اگر کسی شہر کے ایسے آٹھ دروازے ہوتے کہ ان میں سے کسی ایک دروازے سے ہنر مندی، تدبیر اور حیلہ وفریب کے بغیر نکلنا محال ونا ممکن ہوتا تب بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنہ ہوشیاری سے آٹھ کے آٹھ دروازوں سے نکل جاتے۔

آپ کی بیدار مغزی کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو بحرین کا گورنر بنایا، لوگوں کو ناگوار ہوا، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے شکایت کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کر دیا۔ لوگوں کو پھر اندیشہ ہوا کہ کہیں دوبارہ عامل نہ بنا دیں۔ لوگوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدگمان کرنے کے لیے ایک لاکھ دینار جمع کر کے ایک دہقانی کے ذریعہ خدمتِ فاروقی میں بھیج دیا۔ اس دہقانی نے کہا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ غبن کر کے میرے پاس امانت رکھے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں باز پرس فرمائی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً کہا: یہ جھوٹ کہتا ہے، میں نے تو اس کے پاس دو لاکھ دینار امانت رکھوائے تھے۔ ایک لاکھ اس نے ہضم کر لیے۔ یہ سن کر اس دہقانی زمیندار کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے حلف اٹھا کر اپنی صفائی پیش کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ تاہم انہوں نے پوچھا کہ خلاف واقعہ تم نے دو لاکھ کے غبن کا اقرار کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا، امیر المومنین اس نے مجھ پر بہتان باندھا، جھوٹی تہمت لگائی، اس کے جھوٹ کا پردہ فاش کرنے اور اسے عبرتناک سزا دینے کے لیے اس کے علاوہ میرے لیے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ آپ صرف ایک مجاہد اور مدبر ہی نہ تھے بلکہ علم وفضل میں بھی آپ کا پایہ بلند تھا۔ آپ سے ایک سو تینتیس احادیث مروی ہیں ان میں سے نو متفق علیہ ہیں ایک میں بخاری اور دو میں مسلم منفرد ہیں۔ (باقی صفحہ ''۲۲'' پر)

ذی الحجہ کے ابتدائی دس ایام اور قربانی کے فضائل واحکام

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کے اعمال کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں جتنے ان دس دنوں میں محبوب ہیں، خواہ وہ عبادت نفلی نماز ہو، ذکر یا تسبیح ہو، یا صدقہ خیرات ہو۔(صحیح بخاری)

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص ان ایام میں ایک دن کا روزہ رکھے تو ایک روزہ کا ثواب ایک سال کے روزے کے برابر ہے، اور فرمایا کہ ان دس راتوں میں ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔(سنن الترمذی)

بال اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کو قربانی کرنا ہو تو جس وقت وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اس کے بعد اس کے لیے بال کاٹنا اور ناخن کاٹنا درست نہیں ہے۔(ابن ماجہ) چونکہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اس واسطے اس عمل کو مستحب قرار دیا گیا۔

یوم عرفہ کا روزہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے تو مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ یہ روزہ اس کے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔(ابن ماجہ)

تکبیر تشریق:

تکبیر تشریق جو عرفہ کے دن کی نمازِ فجر سے شروع ہو کر ۱۳ تاریخ کی عصر تک جاری رہتی ہے، اور یہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے، وہ تکبیر یہ ہے،

اَللّٰہُ اَکْبَر ،اَللّٰہُ اَکْبَر، لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر ،وَلِلّٰہِ الْحَمْد

مردوں کے لیے اسے متوسط بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے، اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلافِ سنت ہے۔

تکبیر تشریق نہ پڑھنے کے بارے میں خواتین کی کوتاہی:

خواتین کے تکبیر تشریق پڑھنے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں: بعض علماء کہتے ہیں کہ واجب ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ مستحب ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورتیں بھی پانچ روز تک یوم عرفہ

کی فجر سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہیں۔ البتہ مردوں پر بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور خواتین کو آہستہ آواز سے کہنا چاہیئے، اور خواتین کو بھی اس کی فکر کرنی چاہیئے، اور دوسری خواتین کو یہ مسئلہ بتانا چاہیئے۔ خواتین کا اس کو یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ خواتین گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں وہاں یہ دعا لکھ کر لگائیں تا کہ سلام پھر کر ان کو یہ تکبیر یاد آجائے اور وہ کہہ لیں۔

قربانی کے فضائل:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنھم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قربانیوں کی کیا حقیت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ طریقہ تمہارے باپ حضرت ابراھیم علیہ السلام سے جاری ہوا ہے اور یہ ان کا طریقہ چلا آرہا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم کو ان میں کیا ملتا ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلہ ایک نیکی۔ عرض کیا اون والے جانور یعنی بھیڑ، دنبہ کے ذبح پر کیا ملتا ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ملتی ہے۔ (مشکواۃ المصابیح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقرعید کی دس تاریخ کو کوئی بھی نیک کام اللہ کے نزدیک (قربانی کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور قیامت کے دن قربانی والا اپنے جانور کے بالوں اور سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں ثواب عظیم کا ذریعہ بنیں گی) نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجہ قبولیت پا لیتا ہے، لہٰذا تم خوشدلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (مشکواۃ المصابیح)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی صاحبزادی) حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے (قربانی کے وقت) فرمایا کہ اے فاطمہ کھڑی ہو اور اپنی قربانی کے پاس کیونکہ اس کے خون کے پہلے قطرہ کی وجہ سے تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علہ وسلم کیا یہ فضیلت صرف ہمارے لیے یعنی اہل بیت کے واسطے مخصوص ہے یا سب مسلمانوں کے لیے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا یہ فضیلت ہمارے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے ہے۔

مسئلہ: قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے اور دوسرے سے ذبح کرانا بھی جائز ہے۔ اگر دوسرے سے ذبح کرائے اور خود وہاں موجود ہو تو بہتر ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ

رضی اللہ عنہا کو قربانی کے جانور کے قریب حاضر ہونے کو فرمایا (مگر عورت کو پردہ کا اہتمام کرنا لازم ہے)۔

جب قربانی کا جانور قبلہ رخ لٹادے تو یہ دعا پڑھے: اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ، اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَ لَکَ

ترجمہ: میں اس اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے میں سب سے الگ ہوکر اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہوں، میری نماز اور میری قربانی اور میرا مرنا اور جینا سب اللہ کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے فرمانبردار لوگوں میں سب سے پہلا ہوں، الٰہی! میں تیری خوشنودی کے لیے یہ قربانی کرتا ہوں۔

پھر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر پڑھ کر ذبح کرے اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

ترجمہ: الٰہی! تو میری قربانی قبول فرما جس طرح تو نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خلیل (حضرت) ابراھیم علیہ السلام کی قربانی قبول فرمائی۔

مسئلہ: قربانی کی کھال یوں ہی خیرات کردے یا بیچ کر اس کی قیمت خیرات کردے، وہ قیمت ایسے لوگوں کو دے جن کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے۔ اور قیمت میں جو پیسے ملے ہیں بعینہ وہی خیرات کرنے چاہئیں، اگر وہ پیسے کسی کام میں خرچ کر ڈالے اور اتنے ہی پیسے اپنے پاس سے دے دیے تو بری بات ہے مگر ادا ہو جائیں گے۔

مسئلہ: اگر کھال کو اپنے کام میں لائے جیسے اس کی مشک یا ڈول یا جانماز بنوالی یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ: قربانی کی کھال کی قیمت کو مسجد کی مرمت یا کسی اور نیک کام میں لانا درست نہیں، خیرات ہی کرنا چاہئے۔

مسئلہ: کچھ گوشت یا چربی یا چھیچھڑے قصائی کو مزدوری میں نہ دے بلکہ مزدوری اپنے پاس سے الگ دے۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

(انتخاب از ماہنامہ البلاغ، ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ)

☆☆☆☆☆

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

تبصرۂ کتب

قاضی فضل واحد صاحب کے ذریعے حضرت مولانا سید شمس الحق افغانی کی مندرجہ ذیل کتب بطور ھدیہ ملیں۔

۱) المیہ مشرقی پاکستان قیمت: ۱۲۰ روپے

۲) مقالات افغانی جلد اول قیمت: ۱۲۰ روپے

۳) مقالات افغانی جلد دوم قیمت: ۱۶۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ شمس الحق افغانی، شاہی بازار، بہاولپور۔

حضرت موصوف ابنائے دیوبند کے گروہ میں نامی گرامی شخصیت ہیں۔ انھیں حضرت سید انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کا وارث اوران کا جانشین مانا جاتا ہے۔ حضرت کے دوسرے استاد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب تھے۔ حضرت عثمانی جس وقت دیوبند کی تدریس عارضی طور پر چھوڑ کر تحریک پاکستان میں کام کرنے کے لیے جانے لگے تو اپنی مسند پر حضرت افغانی کو ہی بٹھایا۔ حضرت افغانیؒ کو ریاست قلات کی درخواست پر دیوبند والوں نے وہاں قاضی القضاء (Chief Justice) اور وزیر معارف (تعلیم) کا عہدہ سنبھالنے کے لیے بھیجا۔ حضرت وہاں گیارہ سال تک اس عہدے پر فائز رہے اور شرعی قانون چلایا۔ یہ شرعی قانون کی برکات تھیں کہ پورے گیارہ سال میں ایک بھی سرقہ وقطعِ ید (چوری اور ہاتھ کاٹنا) نیز قتل اور قصاص کا کیس رجسٹر نہیں ہوا۔ اس کے بعد حضرت بہاولپور اسلامی یونیورسٹی میں دس سال مقیم رہے جس دوران آپ شیخ التفسیر اور شیخ الجامعہ (V.C) کے عہدوں پر فائز رہے۔ آپ نقشبندیہ سلسلے کے شیخ کامل بھی تھے۔ حضرت کی تحریر و تقریر کا ہر ہر لفظ زمانے کے لیے سند ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلی کتاب المیہ مشرقی پاکستان آپ کے ملفوظات، درس اور بیانات ہیں جنھیں آپ کے شاگرد جناب عبدالغنی صاحب نے جمع کیا ہے۔ عبدالغنی صاحب اس تحریر کو حضرت کے معیار پر تو نہیں لا سکے بہرحال کتاب حضرت کے فیوض وبرکات سے خالی نہیں ہے۔ مقالات جلد اول جلد دوم تو حضرت کی اپنی تحریریں ہیں جنھیں کسی تبصرہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بندہ کی سب قارئین سے درخواست ہے کہ ان کتب کے فیض سے محروم نہ رہیں۔

☆☆☆☆☆